ڈاکٹر سمیرا بشیر
اسسٹنٹ اُستاد، شعبۂ اُردو
وفاقی اُردو یونی ورسٹی، کراچی

نو دولتیا طبقہ اور ''ہاؤسنگ سوسائٹی''

ABSTRACT

Nouveau-Riche in Qurratul Ain Hyder's novel "Housing Society"
By Sumaira Basheer, Asst. Prof. Department of Urdu, Federal Urdu University, Karachi.

Nostalgia is Qurrat-ul-Ain's favourite theme and the characters of her novels, novelettes and short stories appear to be lost in the past.
She herself experienced the pain and agony of migration very intensely after the independence. In her novelette "Housing Soceity", Qurrat-ul-Ain has narrated all such events and incidents of the post-independence suffering of the refugees, their social and economic status, psycological state and the moral decline of the nouveau riche.

تقسیم فسادات اور ہجرت کے تلخ تجربوں سے گزرنے کے بعد بھی مہاجرین کو نہ تو سُکھ اور چین نصیب ہوا اور نہ ہی وہ آزادی کی خوشی منا سکے۔ دشمنوں کے چنگل سے نکلے تو اپنوں نے انھیں گھیر لیا۔ مقامی لوگوں نے انھیں صرف اپنے رویوں سے ہی تکلیف نہ پہنچائی بلکہ وہ مال و املاک جن پر مہاجرین کا حق تھا۔ مقامی لوگوں نے لوٹ کھسوٹ کر کے راتوں رات امیر ہونے کا خواب پورا کیا۔

ان لوٹ کھسوٹ کرنے والوں میں صرف مقامی لوگ ہی شامل نہ تھے بلکہ ایسے موقع پرست چالاک اور مکار لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے غلط کلیم داخل کروا کے اپنی کایا پلٹ دی اور پاکستان کا بننا ان کے لیے بہت مبارک ثابت ہوا۔

> ''اس دور میں اردو کے ادباء نے اپنی تحریروں سے انسانیت کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کیا انھوں نے تقسیم، فسادات اور نئے سماجی مسائل کو اپنی تخلیقات میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ بالخصوص تاریخی، نفسیاتی اور اقتصادی مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا(۱)۔''

ان ادیبوں میں قرۃ العین کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے ہجرت کے کرب اور قیام پاکستان کے بعد پیدا ہونے والے مسائل کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور اپنی تحریروں میں بڑی کامیابی سے بیان کیا۔ اسی سلسلے

میں ان کا ناولٹ ''ہاؤسنگ سوسائٹی'' اپنے موضوع اور انداز بیان کے لحاظ سے اردو ناولٹ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔

''ہاؤسنگ سوسائٹی کا موضوع تقسیم ہند سے پیدا ہونے والی اقتصادی اور سماجی صورتحال ہے جس میں تہذیب اقدار کی شکست وریخت، جاگیردار طبقے کا زوال، نئے سرمایہ دار طبقے کا عروج اور پھر سب سے بڑھ کر استحصال جو اس سرمایہ دار طبقے نے ضمیر فروشی اور بے حسی کے ساتھ شروع کیا۔ سب ہی کچھ اس ناول میں سمٹ آئے ہیں (۲)۔''

قرۃ العین حیدر نے ہاؤسنگ سوسائٹی میں مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے بکھراؤ اور نئی مغرب زدہ تہذیب کی خودغرضی کو کرداروں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ اس خیال کی تائید روبینہ الماس نے یوں کی ہے۔

''...وہ نئی مغرب زدہ تہذیب اور جاگیردارانہ ملکیتی معاشرت میں جدوجہد معاش کی بے رحمی سے مکمل طور پر واقف ہیں۔ ان کی کہانیوں میں تہذیب کی شکستہ صورتحال ملتی ہے جس میں ایک طرف سلمان (انقلابی) دوسری طرف جمشید (سرمایہ دار) دونوں ہی اپنی تہذیب کے آپ پیدا کرنے والے پھر خود ہی منہدم کرنے والے ہیں (۳)۔''

قرۃ العین حیدر نے اس ناولٹ میں تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے والے مہاجرین کی بدلتی ہوئی معاشی اور سماجی حیثیت اور نو دولتیے طبقے کی اخلاقی پستیوں کو بیان کیا ہے۔ بقول پروفیسر شاہدہ یوسف:

''...ہاؤسنگ سوسائٹی کے موضوع سے پاکستان میں نو دولتیوں نے جو استحصالی معاشرہ بنایا اس کے تضادات کو بے رحموں کی طرح بیان کیا ہے (۴)۔''

ناول کا پلاٹ مربوط ہے اور مختلف واقعات میں تسلسل ہے۔ ناولٹ میں امیر طبقے کا پاکستان آکر دردر کی ٹھوکریں کھانے اور غریب طبقے کا جھوٹ، فریب، رشوت خوری اور ضمیر فروشی کا راستہ اختیار کر کے راتوں رات امیر ہونے کا ذکر ایک منفرد اور دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

اس کا اندازہ ایک کردار کے مندرجہ ذیل مکالمے سے کیا جا سکتا ہے۔

''ابے چنن خان، میں نے کہا اکیلے اکیلے مکان الاٹ کرالیا، یاروں کو ہوا بھی نہ لگنے دی میاں اگر تم نے اڑائی ہیں تو ہم نے بھون بھون کر کھائی ہیں (۵)۔''

جمشید علی، سلمان مرزا، سلمیٰ عرف بٹیا اور ثریا حسین ناولٹ کے اہم کردار ہیں۔ یہ کردار شروع سے لے کر آخر تک کبھی معاشی کش مکش میں کبھی معاشرتی اور کبھی نفسیاتی کش مکش کا شکار نظر آتے ہیں۔

ناولٹ کا کردار سید جمشید علی تقسیم ہند سے قبل معمولی حیثیت رکھتا تھا۔ جمشید کے والد کو ایل ایل بی کرنے کے بعد ملازمت نہ ملی کئی سال تک بے روزگار رہنے کے بعد انھوں نے درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ جمشید کی شدید خواہش تھی کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے لیکن والد کے بے روزگار ہونے کی وجہ سے اسے کم عمری ہی میں گھر کا سرپرست بن کر تمام ذمّے داریوں کو پورا کرنا پڑا۔ ایک دن وہ گنج محمد سے کارن پور چلا گیا اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اس نے تعلیم کے ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی تا کہ گھر کا خرچہ بھی چلتا رہے بالآخر اپنی سخت محنت سے اس نے ایم اے کر لیا۔

اسی دوران جنگ عظیم دوم شروع ہو گئی اور ملٹری اسٹور کے محکمے میں حوالدار کی نوکری مل گئی اس نوکری کا اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اکثر کینٹین سے کھانے پینے کا سامان لے آتا اور مناسب تنخواہ سے ان کے گھر کے حالات پہلے سے بہتر ہو گئے لیکن جنگ میں خاتمے کے بعد یہ محکمہ بھی ختم ہو گیا۔

حالات کی سختیوں نے جمشید کو آہستہ آہستہ بے حس اور خود غرض بنا دیا۔ منظور النساء سے شادی بھی محض ایک سمجھوتہ تھی اور شادی کا انجام طلاق پر ہوا۔ طلاق دینے کے بعد وہ نہ صرف منظور النساء سے بلکہ اپنی بیٹی فرحت النساء سے بھی لاتعلق ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد منظور النساء کی موت واقع ہو گئی لیکن وہ جب تک زندہ رہی جمشید کو بھول نہ سکی۔ ملک کی تقسیم کے بعد جمشید کراچی آ گیا۔ کراچی پہنچ کر حالات نے پلٹا کھایا اور کچھ ہی عرصے کے بعد جمشید نے اپنے دوست سے مل کر کاروبار شروع کر دیا جس میں اسے زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے ایک خالی کوٹھی بھی اپنے نام کروالی ایک سال کے بعد اس نے اپنے گھر والوں کو بھی پاکستان بلا لیا۔ پاکستان آ کر جمشید کے بہن بھائیوں نے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلہ لے لیا۔ جب زندگی کی ساری آسائشیں اور خوشیاں ملیں تو سب کے مزاج میں بھی نرمی آتی گئی۔ ان ہی دنوں جمشید کو اپنی بیٹی فرحت النساء شدت سے یاد آئی اور اس کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں پر وہ بہت شرمندہ ہوا نتیجتاً وہ فرحت النساء کو بھی پاکستان لے آیا۔ کراچی میں آ کر فرحت النساء 'فیری' بن گئی اور بہت اعلیٰ اور مہنگے اسکول میں ان کا داخلہ ہو گیا اور اس کی تربیت کے لیے اینگلو انڈین گورنس مقرر کر دی گئی، فرحت النساء کے بعد جمشید کے والد سید اختر علی نے بھی درویشانہ زندگی کو خیر باد کہا اور وہ بھی پاکستان چلے گئے۔ پاکستان آ کر سید اختر علی نے جمشید کے ساتھ کاروبار سنبھال لیا اور وہ بہت جلد اپنے بیٹے کے رنگ میں رنگ گئے۔ دھوکے بازی، جھوٹ اور فریب کے سہارے ترقی کی منازل طے کرنا شروع کر دیں اپنے خاندان کی فرضی جائیداد کے بارے میں بہت سی من گھڑت کہانیاں سنائیں مثلاً:

> ''... میں نے تو اپنی کان پور کی کوٹھی کا کلیم داخل کر دیا ہے۔ فی الحال منظور ہونے پر بھی اس کا چالیس فی صد ہی ملے گا مگر صبر و شکر کر کے وہی قبول کر لیں گے۔۔۔ یہاں تو ہر طرف لوٹ مچی ہوئی ہے آبادکاری کے محکمے میں ذرا بھی انصاف نہیں یہ ملک تو بالکل

اندھیری نگری بنا ہوا ہے(۶)۔''

ناولٹ کا دوسرا اہم کردار سلیمان مرزا کا ہے۔سلمان کا تعلق اعلیٰ طبقے سے تھا۔اس کے والد کلکٹر تھے۔اگرچہ اسے زندگی کی ساری خوشیاں اور آسائشیں حاصل تھیں لیکن اس کے باوجود غریب عوام کے دکھ درد کو سمجھتا تھا۔سرمایہ داروں کے ظلم وستم اور ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے کمیونسٹ پارٹی میں شامل ہوگیا۔اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ الٰہ آباد رہتا تھا۔سلمان کی بہن سلمیٰ مرزا مسوری کے کانونٹ میں پڑھتی تھی۔ان کے گھر کے تمام افراد خدا ترس اور نیک تھے۔

بوٹا بیگم کی بیٹی ثریا حسین عرف بسنتی بیگم کو بھورے خان کے چنگل سے نکالنے میں سلمان کے گھر والوں نے ان کی بھرپور مدد کی تھی اور انھیں اپنے گھر میں پناہ دی تھی اور ثریا بیگم کی تعلیم اور دوسرے اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری لے لی تھی۔ثریا کو مصوری کا بہت شوق تھا۔قابلیت کی وجہ سے اسے لکھنو آرٹ اسکول میں داخلہ مل گیا جہاں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسے الٰہ آباد کے ایک آرٹ اسکول میں ملازمت مل گئی تو وہ اپنی ماں کے ساتھ الگ گھر میں رہنے لگی۔الٰہ آباد میں آنند موہن گھوش نے ثریا کی بہت حوصلہ افزائی کی اور ثریا کو بہترین مصورہ کی حیثیت سے متعارف کرایا۔اب ثریا نے سلمان سے پردہ کرنا بھی ترک کر دیا۔کچھ ہی ملاقاتوں کے بعد دونوں کی دوستی ہوگئی اور ثریا نے بھی سلمان کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔

جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو سلمان کے گھر کو ہندوؤں نے آگ لگادی اور اس کے گھر والے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے جہاں حالات نے پلٹا کھایا اور وہ کیا سے کیا ہو گئے۔بابا چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے،گھر کا خرچہ زیور بیچ کر پورا کیا جاتا،تنگ دستی اور وسائل کی کمی دور کرنے کے لیے سلمیٰ مرزا کو ایک اسکول میں ملازمت کرنا پڑی۔کچھ عرصے کے بعد سلمان بھی پاکستان آ گیا۔چند دنوں کی کوششوں سے ہی وہ اپنے گھر والوں کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا جو لاڑکانہ میں بہت سخت زندگی گزار رہے تھے۔سلمان انھیں لاڑکانہ سے کراچی لے آیا۔کراچی آ کر انھوں نے پیر الٰہی بخش کالونی کے دو کمروں والے کوارٹر میں رہنا شروع کر دیا۔''قصر سلمان'' کے بعد دو کمروں والے کوارٹر میں رہنا بڑا صبر آزما تھا۔سلمیٰ مرزا کو ہر لمحہ یہی وہم رہتا کہ شاید لوگ ان کی غربت کا مذاق اڑا رہے ہیں۔پاکستان آ کر بھی سلمان نے کمیونسٹ پارٹی سے متعلق سرگرمیاں جوش وخروش سے جاری رکھیں تو حکومت نے اسے غیر معینہ مدت کے لیے کراچی کے باہر نظر بند کر دیا۔اسکول کی تنخواہ سے جب گزارا کرنا مشکل ہوا تو مجبوراً سلمیٰ کو ایک بڑی فرم میں مینجنگ ڈائریکٹر جمشید علی کی پرسنل سیکریٹری کی نوکری کرنا پڑی۔

جمشید علی نے سلمیٰ کی بھولی بھالی شکل کو دیکھ کر سوچا تھا کہ:

''...میں اس لونڈیا کو groom کروں گا، contact women ثابت ہوگی

ایک سے ایک بڑا گھاگ اس کی بھولی صورت پر ریشہ خطمی ہو کر سارے راز اگل
دے گا۔ لاکھوں کے معاملات منٹوں میں طے ہو جائیں گے (۷)۔''

پہلی بار پارٹی پر جاتے وقت سلمیٰ مرزا دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوئی لیکن سات سو روپے تنخواہ کا سوچ کر وہ اپنا فیصلہ نہ بدل سکی۔

ناولٹ کی کردار ثریا حسین بھی ایک دن ہندوستان سے پاکستان پہنچ گئی۔ پاکستان آ کر اپنی محنت اور لگن سے اس نے اپنے آپ کو منوایا اور وہ ایک کالج میں آرٹ کی لیکچرر بن گئی۔ ثریا حسین کی والدہ بوٹا بیگم اب بیگم حسین کہلاتیں، اب وہ ہر جگہ آزادی سے جاتیں۔

انھی دنوں جمشید کی بہن عالیہ سید نے اپنے چند امریکن دوستوں کے ساتھ ثریا سے تصاویر خریدیں۔ امریکن لڑکیوں کو ثریا کی بنائی ہوئی تصاویر بہت پسند آئیں۔ عالیہ کے ذریعے ثریا جمشید علی سے متعارف ہوئی۔ جمشید نے ایڈورٹائزنگ کمپنی میں نو سو روپے ماہوار پر نوکری دلوا دی۔ تنخواہ بڑھی تو ثریا کا معیار زندگی بھی بلند ہو گیا۔ ایجنسی میں کام کرنے کے ایک سال بعد ہی اسے اسکالرشپ مل گیا اور وہ پیرس چلی گئی۔ فنی حلقوں میں ثریا کا تعارف بڑے شاہانہ انداز میں کیا جانے لگا اب ثریا کو سلمان کا خیال بھی کبھی کبھار ہی آتا۔

ایک عرصے بعد جمشید کے گھر سلمیٰ اور ثریا کی ملاقات ہوئی اسی پارٹی میں جمشید اور ثریا کو شدید نشے کی حالت میں رقص کرتے دیکھ کر سلمیٰ کو شدید دھچکا لگا۔

''...بھیا آپ کے نام کی مالا جپتے جپتے برسوں کی قید کاٹنے چلے گئے۔ جب وہ قید تنہائی
کی لمبی مدت کے بعد باہر نکلیں گے تو ان کے بال سفید ہو چکے ہوں گے لیکن ناامید نہ
ہوں گے کبھی ہار نہ مانیں گے جب کہ آپ نے اتنی آسانی سے ہار مان لی (۸)۔''

سلمیٰ مرزا نے اپنے اور جمشید کے درمیان جو فاصلہ رکھا تھا جمشید اسے بھی ختم کرنا چاہتا تھا لیکن سلمیٰ نے اسے اجازت نہ دی۔

سلمیٰ اور جمشید کا جھگڑا دیکھ کر ثریا کا نشہ بھی اترنا شروع ہو گیا اور اس نے نہ صرف سلمیٰ کی وکالت کی بلکہ اپنی اصلیت کا اعتراف بھی کیا اور جمشید کے بہت سے راز بھی فاش کرتے ہوئے بتایا کہ:

''...میں کسی تعلقہ دار کی بیٹی نہیں ہوں نہ میں کسی مسوری کانونٹ میں تعلیم نہیں پائی
ہے میں نے کسی شانتی نکتین کی شکل نہیں دیکھی میں سید زوار حسین مرحوم سوز خواں
وکاشت کار، موضع محمد گنج ضلع سلطان پور کی لڑکی ہوں۔ تم کان پور کے کسی مشہور

ایڈوکیٹ کے بیٹے نہیں ہو۔تم سید ظفر مظہر علی کاشت کار موضع محمد گنج ضلع سلطان پور
کے بھتیجے ہو اور تم نے کسی کرنل براؤن اسکول ڈیرہ دون سے تعلیم حاصل نہیں کی تم
اور میں... اپنے پبلک ایکسپرٹ کے تخلیق کردہ کردار ہیں (۹)۔''

دوسروں پر اپنی اصلیت ظاہر ہونے پر جمشید کو دھچکا لگا اور اس نے اگلے ہی لمحے ثریا اور سلمیٰ دونوں سے معافی مانگ لی۔

کچھ ہی دیر کے بعد ثریا اور جمشید نے اپنے دور کے پرانے گیتوں پر نہ صرف تبصرہ کیا بلکہ مل کر گایا بھی۔

چار تھپڑ کھانے کے بعد اسی شخص کے ساتھ مل کر گانا اور اس کے ساتھ رہنا بہت سطحی قسم کی فلمی کہانی والا انداز ہے۔ عام طور پر حقیقی زندگی اور انسانوں میں بھی اس قسم کی لڑائیوں کے بعد کردار ایک دوسرے کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے لیکن اس ناولٹ کا انجام بالکل مختلف ہے۔

سلمیٰ مرزا جو مذکورہ بالا جھگڑے اور مار پیٹ کے بعد بھی اگلے ہی روز کی دعوت میں بڑی سعادت مندی سے جمشید کے ساتھ مل کر مہمانوں کا استقبال کرنے اور اپنی ملازمت جاری رکھنے کے لیے تیار تھی۔ غالباً اس کے پیچھے سلمیٰ اور ثریا دونوں کی معاشی مجبوریاں تھیں۔ سلمان کے جیل جانے اور والد کے انتقال کے بعد گھر کو سنبھالنا سلمیٰ کی ذمہ داری تھی۔ اسی طرح ثریا بھی اپنے گھر کی واحد کفیل تھی۔

جب جمشید پر اس بات کا انکشاف ہوا کہ سلمیٰ، سلمان کی بہن اور کلکٹر قمر الدین احمد کی بیٹی ہے تو اس نے تحریری معافی نامے کے ذریعے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیا اور سلمیٰ کو نوکری چھوڑنے کا مشورہ دیا۔

''چھوٹی بٹیا... پرسوں رات انتہائی نشے اور نیم دیوانگی کے عالم میں، میں نے جس
طرح آپ سے گستاخی کی اس کے لیے صدق دل سے معافی کا خواستگار
ہوں... میں اس ملازمت کے لیے جو آپ کے وقار اور شرافت کے سراسر منافی ہے
اور آپ کی شخصیت کی توہین ہے آپ کو مزید زحمت نہیں دے سکتا... میں در پردہ ہر
ممکن طریقے سے آپ کی مدد اور اعانت کرتا رہوں گا اور آپ کو کسی بھی دفتر میں ایک
معقول ملازمت دلوا دوں گا (۱۰)۔''

قرۃ العین حیدر کے بیشتر خواتین کرداروں کی طرح سلمیٰ مرزا بھی مہذب، ذہین اور جرات مند ہے۔ وہ ایک عرصے تک حالات کی سختیوں کو جھیلتی رہی پر آسائش اور بے فکری کی زندگی گزارنے کے بعد معاشی تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا جس سے اس کی زندگی پر برے اثرات پڑے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو گئی لیکن جب حالات سدھرنے کی کوئی

صورت نظر نہ آئی تو اس نے جمشید جیسے شخص کی سیکریٹری بننا ہی گوارہ کرلیا۔

''... کہیں ہاؤسنگ سوسائٹی کی منظور النساء اپنے گھر میں بے گھر نظر آتی ہے اور کہیں سلمیٰ مرزا کی معصومیت، مجبوری اور مفلسی کے ہاتھوں نیلام ہونے کی سرحد تک آ پہنچتی ہے، عورت کے یہ مختلف روپ، اس کے استحصال کی عبرت انگیز صورت حال اور وقت اور زمانے کے سیاق وسباق میں عورت کی پامالی کی داستان اور مردوں کے بنائے ہوئے معاشرتی نظام میں عورت کی بے حیثیتی۔۔۔قرۃ العین حیدر اپنے فنکارانہ ضبط واعتدال کے ساتھ نت نئے زاویہ نظر کے ساتھ پیش کرتی ہیں (۱۱)۔''

قرۃ العین حیدر کا یہ ناولٹ قیام پاکستان کے ابتدائی دنوں کے بارے میں ہے جب ملک میں نو دولتیوں کا طبقہ سامنے آیا جنھوں نے غلط کلیم داخل کروا کے اپنے صدیوں پرانے ارمان پورے کیے۔اس طبقے کا نمائندہ کردار جمشید ہے جو اخلاقی اور تہذیبی اقدار کو فراموش کر چکا ہے کیونکہ جمشید کی نظر میں یہ دنیا ایک بلیک مارکیٹ ہے جہاں دل، دماغ، روحوں کے علاوہ بلکہ بڑے بڑے ایمان دار، دانشور، عالم فاضل کبھی نہ کبھی بک جاتے ہیں۔ایسی سوچ رکھنے والوں کے ہاتھ میں جب ملک کا نظام آیا تو انھوں نے ملک وقوم کی تعمیر کے بجائے اپنے مستقبل کی تعمیر کی فکر کی۔

نو دولتیے کی ایک مثال ثریا بھی ہے جس نے پر آسائش زندگی اور اعلیٰ اسٹیٹس کے لیے جمشید جیسے مکروہ شخص کی حاکمیت کو قبول کرلیا اور سلمان جیسے مخلص انسان کو فراموش کر دیا۔ایسے نو دولتیے جن کی زندگی کی کایا تقسیم ہند کے بعد پلٹ گئی انھیں اپنا ماضی کبھی بھول کر بھی یاد نہ آیا۔

دوسری طرف وہ طبقہ ہے جس میں سلمیٰ مرزا جیسے بے بس لوگ موجود ہیں جنھوں نے ماضی میں ایک باوقار اور شاہانہ زندگی گزاری تھی لیکن آزادی کے ساتھ ہی ان کی بدنصیبی کے دن شروع ہو گئے۔ہندوستان میں ہندوؤں نے ان کی گھر کو تباہ کیا جب کہ پاکستان آ کر انھیں مسلمانوں کی زیادتیوں کی سہنا پڑا۔

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری ایک بڑا اہم مسئلہ تھا لیکن اس موقع پر ارباب اختیار نے ناانصافی اور اقربا پروری سے کام لیا اور ان کی معاشی، معاشرتی حیثیت بری طرح پامال ہوئی اور مہاجرین کے مسائل سلجھنے کے بجائے مزید بگڑ گئے۔اس صورت حال پر ڈاکٹر محمد افضال بٹ نے یوں تبصرہ کیا ہے:

''تقسیم ہند کے بعد ملکی سطح پر فسادات کا اثر تو تھا ہی لیکن جو سماجی مسائل پیدا ہوئے وہ بڑے پریشان کن تھے مہاجرین کی آبادکاری بنیادی مسئلہ تھا اجڑے اور بکھرے ہوئے خاندانوں کے زخم ناسور بن چکے تھے۔۔۔پاکستان میں وسائل نہ ہونے کی

وجہ سے مسائل کے انبار لگ چکے تھے سب سے بڑا مسئلہ سیاسی عدم استحکام تھا(۱۲)۔''

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کو مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا بعض کو توقع سے زیادہ مل گیا اور کچھ کھاتے پیتے، ہنستے بستے گھر چھوڑ کر آئے تھے لیکن یہاں پر انھیں ان لوگوں کا اطاعت گزار بننا پڑا، جن کے سر پر کبھی وہ دست شفقت رکھا کرتے تھے۔ ہاؤسنگ سوسائٹی میں قرۃ العین حیدر نے مہاجرین کی ایسی ہی المناک صورتحال کو کامیابی سے پیش کیا ہے۔

حواشی:

(۱) محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، اُردو ناول میں سماجی شعور (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ص ۵۔
(۲) نیلم فرزانہ، اُردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء)، ص ۲۳۳
(۳) روبینہ الماس، اُردو افسانے میں جلاوطنی کا اظہار (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۰۵۔
(۴) ماہ نامہ قومی زبان کراچی، قرۃ العین حیدر نمبر، خصوصی شمارہ، جنوری ۲۰۰۸ء، ص ۶۶۔
(۵) قرۃ العین حیدر، ہاؤسنگ سوسائٹی (لاہور: چوہدری اکیڈمی، ۱۹۷۷ء)، ص ۷۸۔
(۶) ایضاً، ص ۱۲۶
(۷) ایضاً، ص ۱۲۵
(۸) ایضاً، ص ۱۶۲
(۹) ایضاً، ص ۱۳۹
(۱۰) ایضاً، ص ۱۷۸۔۱۷۹
(۱۱) محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، محوّلہ بالا، ص ۱۵۳
(۱۲) ارتضیٰ کریم (مرتّبہ)، قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء)، ص ۴۷۔

مآخذ:

۱۔ الماس، روبینہ، اُردو افسانے میں جلاوطنی کا اظہار، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۱۲ء۔
۲۔ بٹ، محمد افضال، ڈاکٹر، اُردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۹ء۔
۳۔ حیدر، قرۃ العین، ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور: چوہدری اکیڈمی، ۱۹۷۷ء۔
۴۔ فرزانہ، نیلم، اُردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء۔
۵۔ فیض، فیض احمد، نسخہ ھائے وفا، لاہور: مکتبۂ کارواں۔
۶۔ کریم، ارتضیٰ کریم (مرتّبہ)، قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء۔
۷۔ ماہ نامہ قومی زبان کراچی، قرۃ العین حیدر نمبر، خصوصی شمارہ، جنوری ۲۰۰۸ء۔